بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

گاؤ خوردن چہ ضرور

برادر محترم مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی نے گذشتہ اشاعت میں برہان بابت اکتوبر کے نظرات پر جو تنقید کی ہے اس کے مطالعہ سے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ برادر موصوف باوصف اپنے جلالتِ علم و عمل کے میری طرح ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو ذبح بقر کو ہندستان میں اسلامی شعار سمجھتے ہیں اور استدلال میں حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد پیش کرتے ہیں بلکہ آپ کے نزدیک بھی یہ صرف مباح ہے اور اس بنا پر مسلمان اس کو ترک بھی کر سکتے ہیں چنانچہ آپ فرماتے ہیں "اس لئے نہیں کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اس لئے کہ یہ بعد از وقت بھی ہے اور قبل از وقت بھی اور اس لئے آج ایسا ہونا برادرانِ وطن کی نگاہ میں بے وقعت اور بے معنی ہے"! اور نہ صرف یہ کہ یہ ایک امر مباح ہے بلکہ اگر ساز گار اور مناسب حالات میں مسلمان اس کو ترک کر دیں تو اس سے ان کی اخلاقی بلندی کا ثبوت بھی ملے گا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "علماء کا یہ متفقہ فیصلہ اس غرض سے کرانا مقصود ہے کہ مسلمانوں کو اپنی اخلاقی بلندی کا ثبوت دینے کے لئے ایسی بات کے ترک کر دینے کا متفقہ اعلان کر دینا چاہئے جس سے برادرانِ وطن کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے۔" (صفحہ ۴۴)

اب مجھ میں اور برادر موصوف میں اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ میرے نزدیک اس معاملہ میں جو کچھ فیصلہ کرنا ہے وہ ابھی اور فوراً کرنا چاہئے اور بھائی صاحب کی رائے میں اس کو ابھی یوں ہی رہنے دینا چاہئے اور اس کی وجہ آپ کے خیال میں یہ ہے کہ اگر اس وقت گاؤ کشی

ترک کی گئی تو چونکہ ہندو اکثریت میں ہونے کے بل بوتہ پر نشۂ اقتدار و پندار سے سرشار ہیں اور ان کے مقابلہ میں مسلمان شکستہ حال و خستہ ہیں اس بنا پر مسلمانوں کا اس وقت ترک گاؤکشی کا عہد کرنا کوئی اچھا اثر پیدا نہیں کرے گا اور نہ صرف اسی قدر بلکہ مسلمان یہ عہد و اعلان کر کے برادران وطن کی نظر میں بے وقعت اور ذلیل ہو جائیں گے۔

اگرچہ برادر محترم موجودہ حالات میں ترک گاؤکشی کو نامناسب بتلاتے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان کے قلم سے بے ساختہ ایک جملہ ایسا ٹپک پڑا ہے جس کا مطلب منطقی طور پر اس کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا کہ ترک گاؤکشی عین وقت کے مطابق ہے۔ آپ فرماتے ہیں "یہ بعد از وقت بھی ہے اور قبل از وقت بھی" اب غور کیجئے تو منطقی طور پر اس فقرہ کی شکل یہ ہوگی

(۱) یہ بعد از وقت ہے یعنی قبل از وقت نہیں

(۲) یہ قبل از وقت ہے یعنی بعد از وقت نہیں

نتیجہ:۔ یہ نہ قبل از وقت ہے اور نہ بعد از وقت = یعنی عین وقت کے مطابق ہے

بہرحال آپ کا مطلب یہ ہے کہ تقسیم ہند سے بہت پہلے جب کہ ہندو اور مسلمان دونوں میں اتحاد و یگانگت پائی جاتی تھی وہ وقت ترک گاؤکشی کے لئے موزوں تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر وہ وقت موزوں تھا تو پھر اسے ترک کیوں نہیں کیا گیا اس زمانہ میں تو مسلمانوں کی پوری سیاست علماء کے ہاتھ میں ہی تھی اور جب حکیم محمد اجمل خاں مرحوم نے اس کی تحریک کی تھی تو اس کی مخالفت کن حضرات نے کی تھی؟ اور کیوں؟

دوسری بات آپ یہ کہتے ہیں کہ اب ایسا کرنا مناسب نہیں تو اس سلسلہ میں خاکسار راقم الحروف اپنا نقطۂ نظر پیش کرتا ہے لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ یہ چند سطور صرف اپنا نقطۂ نظر اور طریق فکر بیان کرنے کے لئے پیش کی جا رہی ہیں ورنہ اس کا مقصد نہ کوئی اپنا ایک الگ محاذ قائم کرنا ہے اور نہ برادر محترم سے یا کسی اور سے اس معاملہ میں معارضہ و مناقضہ کرنا ہے چنانچہ

میری طرف سے بیان میں اس سلسلہ کی یہ آخری تحریر ہے۔ اب میری معروضات حسب ذیل ہیں:-

(۱) اس سے قطع نظر کہ موجودہ حالات میں ہندؤوں کی پوزیشن کیا ہے اور مسلمانوں کی کیا۔ نفس مسئلہ کی حیثیت سے اس پر غور کرنا چاہئے کہ گاؤکشی سبب نزاع ہے یا نہیں؟ اگر سبب نزاع ہے تو کیا مسلمان اس کی مقاومت کر سکتے ہیں؟ اگر مقاومت نہیں کر سکتے تو کیا اندر دئے احکام اسلام مسلمان اس سبب نزاع کو دفع و ختم کر سکتے ہیں؟۔ بس یہ تین سوالات ہیں جن پر غور کرنا ہے یہ ظاہر ہے کہ گاؤکشی آج سے نہیں ہمیشہ سے سبب نزاع بنی رہی ہے لیکن تقسیم ہند سے قبل چونکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی طاقت متوازن تھی اس لئے مسلمان اس کی مقاومت کر سکتے تھے تقسیم کے بعد صورت حال یہ ہے کہ اس کا سبب نزاع ہونا تو شدید سے شدید تر ہو گیا ہے اور دوسری جانب مسلمانوں میں تاب مقاومت نام کو بھی نہیں رہی ہے۔ اس بنا پر اب سوچنا یہ ہوگا کہ مسلمان باختیار خود اس کو ترک کر سکتے ہیں یا نہیں؟ تو شریعت کہتی ہے کہ ہاں مسلمان اس کو ترک کر سکتے ہیں۔ پس اب لامحالہ شریعت کا حکم یہی ہوگا کہ اجتماعی طور پر اس کے ترک کر دینے کا اعلان کر دینا چاہئے اس سلسلہ میں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ مولانا حفظ الرحمن صاحب نے صفحہ ۲۹۸ پر چند مقامات کا نام لے کر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ "فرقہ پرست ہندؤوں نے مسلمانوں کی جان و مال کو نقصان پہنچانے کے لئے عید قرباں کو بہانہ بنا کر خون کی ہولی کھیلنا ضروری سمجھا" اگر اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ بعض مقامات پر فرقہ پرست ہندؤوں نے ایسا کیا تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ بالکل بجا اور درست ہے۔ لیکن اگر مطلب یہ ہے کہ گاؤکشی سرے سے سبب نزاع ہی نہیں ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس طرح کی بات دنیا کا کوئی معمولی سے معمولی انسان بھی کہہ سکتا ہے چہ جائیکہ ملک کا ایک نامور عالم اور نہایت باہوش و دانش رہنمائے قوم۔

(۲) گاؤکشی جب سبب نزاع ہے تو اس کو اس کی اس حیثیت کے پیش نظر ختم کر دینا لامحالہ مفید اور عمدہ نتائج پیدا کرے گا۔ اور ان نتائج کی راہ میں ہندؤوں کا موجودہ پندار اکثریت حائل نہیں ہو سکے گا جس کا کہ برادر موصوف کو اندیشہ ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں آپ دیکھتے ہیں کہ

میاں بیوی میں کسی بات پر سخت جھگڑا ہو جاتا ہے۔ بیوی بر بنائے شرافت و نیک نفسی شوہر کی بری بھلی باتیں سن کر خاموش رہتی ہے اور اس کا کوئی جواب نہیں دیتی تو اگرچہ شوہر اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کو بیوی پر ہر طرح فوقیت و اقتدار حاصل ہے اور اس کے بالمقابل بیوی غریب کے لئے شوہر کے در کے علاوہ کوئی دوسرا در بھی نہیں ہے اور اس بنا پر ممکن ہے کہ بیوی کا جواب ترکی بترکی نہ دینا اسی مجبوری کے باعث ہو۔ لیکن بایں ہمہ بیوی کی خموشی کا اثر طبعی طور پر یہ ہوتا ہے کہ شوہر کو خود بعد میں اپنے قول و فعل پر ندامت ہوتی ہے اور وہ بیوی سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔

(۳) اور اگر بالفرض اس وقت ترک گاؤکشی کے اعلان سے ہندوؤں کو یہ خیال ہوگا کہ مسلمانوں نے ڈر کے مارے ایسا کیا ہے نہ کہ اپنے کسی خاص فرض کے احساس سے تو ان کو یہ خیال اس وقت تو ہو سکتا تھا جب کہ یہ اعلان مسلم لیگ یا کسی اور جماعت کی طرف سے ہوتا۔ جمعیۃ علما کو ہر ہندو جانتا ہے کہ یہ بہادروں اور سرفروشوں کی جماعت ہے جس کے نزدیک حق کی راہ میں جان دے دینا معمولی بات ہے اور یہ جماعت جب کل انگریزوں سے مرعوب نہیں ہوئی اور نہ ہندو اکثریت کے خیالی بھوت نے اس کے دماغ پر مسلط ہو کر مسلمانوں کے لئے فرقہ وارانہ سیاست کا راستہ دکھایا تو آج وہ ہندوؤں سے کیوں ڈرنے لگی۔ اس بنا پر اگر جمعیۃ علما کی طرف سے یہ اعلان ہوتا تو ہندو لا محالہ اس کا خیر مقدم کرتے اور وہ سمجھتے کہ جمعیۃ نے یہ اعلان ہندو سے ڈر کر نہیں کیا ہے بلکہ وقت کے تقاضہ کے مطابق فرض شناسی کے جذبہ سے کیا ہے کون نہیں جانتا کہ جب کل سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کے ہزیمت خوردہ و شکست یافتہ ہونے کے باوجود انگریزوں کو اپنانے کی پالیسی پر عمل کیا تو اس کا خیر مقدم خود انگریزوں نے کیا اور سرسید نے ان کی طرف تعاون و اشتراک کا جو ہاتھ بڑھایا تھا اس کو انھوں نے مضبوط پکڑ لیا کیوں؟ صرف اس لئے کہ انگریز جانتے تھے کہ سرسید وہی بہادر انسان ہے جس نے "اسباب بغاوت ہند" لکھ کر پارلیمنٹ میں تہلکہ

بچادیا تھا اور جو ایک عظیم الشان دربار حکومت سے محض اس بات پر ناراض ہو کر اٹھ آیا تھا کہ اس میں ہندوستانیوں کی کرسی انگریزوں کے برابر نہیں بچھی تھی سرسید کی اس بے خوفی اور بے باکی کی وجہ سے انگریزوں کو یقین تھا کہ اب سرسید نے انگریزوں کو اپنانے کی جو پالیسی اختیار کی ہے تو وہ مرعوب و خوف زدہ ہو کر نہیں بلکہ تقاضائے وقت کا صحیح جائزہ لینے کے بعد فرض شناسی کے جذبہ سے کی ہے یہاں اس سے بحث نہیں کہ سرسید کی یہ پالیسی بہرنوع صحیح تھی یا غلط۔ مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ مسلمانوں کی ہزیمت خوردگی کا تصور سرسید کی پالیسی کے متعلق انگریزوں کے دل و دماغ پر اچھا اثر پیدا کرنے میں مانع نہیں ہوا۔

(۴) اس سے قطع نظر کہ گاؤکشی کے عنوان سے اب تک کتنے مسلمانوں کی جانیں جا چکی ہیں اس معاملہ پر اس پہلو سے بھی غور کرنا چاہئیے کہ مسلمانوں کی عظیم اکثریت نے مذہبی قومیت کی بنیاد پر تقسیم ہند کا مطالبہ کر کے اور پھر اس مطالبہ کو حاصل کر کے درحقیقت بھارت میں اپنے شہری حق کو خود ضائع کر دیا تھا۔ اس کے بعد اگر یہاں کے دستور میں مسلمانوں کو شہری حقوق نہ دئیے جاتے تو مسلمانوں کا منہ نہ ہوتا کہ وہ اس کے خلاف احتجاج میں ایک حرف بھی کہہ سکتے لیکن کانگرس کا مسلمانوں پر یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے اس چیز کی ذرا پروا نہ کی اور ملک کے آئین میں مسلمانوں کو بھی ہندوؤں جیسا شہری تسلیم کر لیا، کانگرس کے اس احسان کے جواب میں مسلمانوں کو چاہئیے تھا کہ وہ قومی تشکر و امتنان کے طور پر گاؤکشی کے ترک کا اعلان کر دیتے۔ اگر دستور کی تکمیل کے فوراً بعد مسلمانوں کی طرف سے محض تشکر و امتنان کے جذبہ سے اس قسم کا اعلان ہوتا تو آپ دیکھتے کہ ایک طرف پنڈت نہرو۔ راجندر پرشاد اور راج گوپال آچاریہ ایسے مخلص کانگرسیوں کو مہاسبھا کے خلاف مسلمانوں کے لئے لڑنے میں کتنی تقویت ہوتی اور دوسری جانب خود اکثریت کے دل و دماغ پر اس کا کس قدر اچھا اثر ہوتا۔

(۵) علاوہ بریں آپ اپنے معاملات و مسائل کا صحیح اور کامیاب حل اسی وقت پیدا کر سکتے ہیں جب کہ آپ اپنا صحیح مقام اور مرتبہ معلوم کر لیں اور اس مقام کے مطابق آپ کو جو کرنا چاہئیے وہ

کریں ملک کی تقسیم کے بعد بھارت کے مسلمانوں کی مثال اس فوج کی سی ہے جو کسی محاذ پر اپنے حریف سے شکست کھا چکی ہے ایسی شکست خوردہ فوج کے لئے منہ اور ہٹ میں اسی جگہ پر کھڑا رہنا سرتاسر خودکشی کے مرادف ہے۔ اسے لامحالہ پیچھے ہٹنا چاہئے۔ پسپائی کی پالیسی پر عمل کرنا چاہئے اسے حالات کو متوازن کرنے کے لئے اپنے اندر لچک پیدا کرنی چاہئے۔ لیکن یہ لچک، یہ دبا ؤ اور یہ پسپائی بزدلی، بددلی اور نامردی کے ساتھ نہیں بلکہ حوصلہ وامید، اور ولولہ وارمان کے ساتھ محض اس خیال سے ہونی چاہئے کہ اب جب کہ اسباب طبعی کے ماتحت اس فوج کو شکست ہو ہی گئی ہے تو اب اس کے لئے محاذ سے پسپا ہونا بھی ایک طریق جنگ ہے۔ یہ پسپائی صرف اس بنا پر اختیار کرنی چاہئے کہ یہ فوج شکست کھا چکی ہے۔ اس وقت اس کا خیال ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ اس پسپائی پر دشمن ہنسے گا۔ اور اس پر کوئی اچھا اثر ہوگا یا نہیں ہوگا۔

بھائی حفظ الرحمٰن صاحب اگر گستاخی معاف کریں تو میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ آج مسلمانوں کے حالات کے عدم توازن کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ملک کی تقسیم تک مسلمان بحیثیت مجموعی فرقہ وارانہ سیاست کی زیر قیادت تھے اور اسی قیادت کے ماتحت آخرکار وہ ملک کے دو ٹکڑے کرا کے رہے لیکن ٹھیک ۱۵ اگست ۴۷ء کو شب کے بارہ بجے یہ قیادت اپنا بستر بوریہ باندھ کر اس ملک سے رخصت ہوگئی اور اس کی جگہ جمعیۃ علمائے ہند نے لے لی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جمعیۃ نے یہ سب کچھ اسلامی حمیت وغیرت اور انسانی شرافت وہمدردی کے جذبہ سے بے قرار ہو کر کیا کیونکہ جمعیۃ کو مسلمانوں نے تقسیم ہند سے قبل خواہ کچھ ہی کہا سنا اور اس کے ساتھ کیسا ہی برا اور ناگوار معاملہ کیا ہو لیکن اس کے باوجود جمعیۃ یہ ایک لمحہ کے لئے گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ مسلمان بے کس و بے بس ہو کر فتنہ وفساد کی دوزخ میں گھر کر رہ گئے ہوں اور جمعیۃ ان کا تماشہ دیکھتی رہے۔ چنانچہ حفظ الرحمٰن اور ان کے رفقاء خود بھی اس آگ میں کود پڑے اور مسلمانوں کو اس آگ کی لپٹ سے بچانے کے لئے انھوں نے جس عظیم الشان فداکاری۔ جاں سپاری اور بے باکی و بے خوفی کا مظاہرہ کیا ہے میرے علم ویقین میں وہ صحیفۂ شجاعت وجوانمردی کا ایک نہایت روشن باب ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کے

یہاں ان حضرات کے مراتب و مدارج صدیقین و شہداء سے کسی طرح کم نہیں ہیں یہ سب کچھ صحیح اور درست لیکن منطقی اعتبار سے جو بات غلط ہے وہ غلط ہی ہوگی۔ اب جمعیۃ کی مثال اس ڈاکٹر کی سی ہے جس کے سپرد ایک ایسا مریض ہوا ہے جس کا کیس پہلے سے ایک اور انگھڑ اور اناڑی ڈاکٹر نے بگاڑ دیا ہے اور جب مریض کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تو یہ ڈاکٹر مریض کو خدا کے سپرد کر کے کسی اور دوسرے ملک کو سدھار گیا ہے اب یہ دوسرا ڈاکٹر ازراہ ہمدردی و شرافت اس مریض ناتواں کا علاج تو کر رہا ہے لیکن صرف اپنے انداز فکر اور طریق علاج کے مطابق اور یہ نہیں دیکھتا کہ پہلے ڈاکٹر نے مریض کے حالات میں کہاں کہاں اور کس کس راہ سے فساد پیدا کر دیا ہے اور ان چیزوں کی رعایت سے اسے کیا کیا کرنا چاہئے جمعیۃ نے ہندوؤں کے دوش بدوش جنگ آزادی میں حصہ لیا ہے اس لئے وہ نہ ہندوؤں کے سامنے محجوب و شرمسار ہے اور نہ وہ ان سے دب کر کوئی بات کر سکتی ہے لیکن افسوس ہے کہ عام مسلمانوں کا حال یہ نہیں ہے، بس یہ ہے اصل خرابی کہ قوم کے حالات "پسپائی" کے متقاضی ہیں لیکن لیڈر شپ اپنے مخصوص کردار کے باعث اس کے لئے تیار نہیں۔

مولانا حفظ الرحمن صاحب فرماتے ہیں کہ مسلمان خود بخود گاؤکشی ترک کرتے جا رہے ہیں گذارش یہ ہے کہ جی ہاں! ترک کرتے جا رہے ہیں مگر صرف انھیں مقامات پر جہاں وہ نہیں کر سکتے مغربی بنگال میں گاؤکشی ممنوع نہیں ہے تو اس سال بھی عید قرباں کے موقع پر سینکڑوں گائیں قربان ہوئیں پولیس کے انتظامات ہر جگہ معقول تھے اس لئے فساد کہیں نہیں ہوا۔ اب سوچئے کہ اگر ایسے مقام پر مسلمان بطیب خاطر گائے کی قربانی نہ کرنے کا اعلان کر دیتے تو کیا اس سے مسلمانوں کی آن پر بٹہ لگ جاتا اور کیا اس سے فرقہ وارانہ تعلقات کو خوشگوار بنانے میں مدد نہ ملتی؟

اب حالات تیزی سے بدل رہے ہیں، ٹنڈن جی نے ناسک میں برملا کہا ہے کہ ہندوؤں کو گاؤکشی کے خلاف رائے عامہ پیدا کرنی چاہئے۔ ڈالمیا نے صاف صاف کہا ہے کہ اگر ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء تک گاؤکشی بند نہیں ہوئی تو میں اپنی زندگی اس کے لئے وقف کر دوں گا۔ اب سمجھ لیجئے کہ ان